مشرقِ وسطیٰ

فلسطین: مسیحی رہنماؤں کی سوچ اور عمل

"کرسچنٹی ٹوڈے" نے ۳ اکتوبر ۱۹۹۴ء کے شمارے میں فلسطین کی مسیحی برادری کے بارے میں ایک رپورٹ شائع کی ہے جس میں مسیحی مذہبی رہنماؤں اور "عام آدمی" کے خیالات پیش کیے گئے ہیں۔

گھٹتی ہوئی مسیحی آبادی کے بارے میں ایو نجلیکل اپسکوپل چرچ کے "بیت المقدس ڈایوسیس" کے آرچ ڈیئن ریاہ ابوالعسال نے بتایا ہے کہ "ہم بحیثیت مسیحی، آبادی کا غیر نمایاں حصّہ ہیں۔ رواں صدی کے وسط میں مسیحی کل آبادی کا ایک چوتھائی تھے اور اب صرف دو فیصد کے لگ بھگ ہیں۔ گزشتہ تیس برس بلکہ اس سے کم عرصے میں بیت المقدس میں اُن کی آبادی ۲۸ ہزار سے کم ہو کر سات ہزار رہ گئی ہے۔ یہی کیفیت ملک کے باقی حصّوں میں ہے۔ بیتِ لحم میں جہاں حضرت عیسیٰؑ کا لڑکپن گزرا، وہاں ۶۵ فیصد مسلم آبادی ہے۔ اِسی طرح رملّہ جہاں کبھی سو فیصد مسیحی آبادی تھی، آج وہاں تقریباً پوری آبادی مسلمانوں کی ہے۔

فلسطین سے مسیحی آبادی کی نقل مکانی ارضِ مقدّس سے عرب فلسطینیوں کے انخلاء کا ایک حصّہ ہے۔ ۱۹۴۸ء میں جب اسرائیل نے فلسطین کے وسیع حصّے پر قبضہ کر لیا اور مقامی عرب باشندوں کے لیے زندگی دوبھر کر دی تو مسیحی فلسطینی ملک چھوڑ کر دُنیا بھر میں منتشر ہونے لگے۔

مغربی کنارے اور غزّہ کی پٹی میں کوئی بیس لاکھ فلسطینی، مسلمان اور مسیحی، رہتے ہیں۔ ان علاقوں پر ۱۹۶۷ء کی جنگ میں اسرائیل نے قبضہ کیا تھا۔ اسرائیلی قبضے کے بعد یہاں سے چالیس لاکھ افراد نقلِ مکانی پر مجبور ہو گئے تھے۔ "عہدِ حاضر میں پناہ گزینوں کی نقلِ مکانی کا یہ ایک بڑا واقعہ تھا۔ مسیحی آبادی زیادہ تر یورپ، آسٹریلیا اور شمالی و جنوبی امریکہ میں اقامت پذیر ہوئی"۔

۱۹۸۷ء میں شروع ہونے والے "انتفاضہ" کے بعد اسرائیلیوں نے مزید سختیاں شروع کیں اور مقامی آبادی کی زندگی مزید مشکل ہو گئی۔ عرب ملکوں اور اسرائیل کے درمیان حالیہ امن مذاکرات کی کامیابی کے باوجود اسرائیلیوں کو حملوں کا خطرہ رہتا ہے، اور اقوامِ متحدہ کی قرارداد (جس میں اسرائیلیوں کو مقبوضہ علاقوں سے نکل جانے کے لیے کہا گیا ہے۔) کے باوجود اسرائیلی فوجی دستے موجود ہیں۔

رملّہ میں بچوں کے لیے قائم "ایونجلیکل ہوم" کے بانی اور ڈائریکٹر عودہ رنتیسی نے بتایا کہ "مقبوضہ فلسطین میں لوگوں کو اُن کے خداداد حقوق سے محروم کیا گیا ہے"۔ ڈاکٹر رنتیسی کو ایک لاکھ

دوسرے فلسطینیوں کے ساتھ گیارہ سال کی عمر میں گھر چھوڑنا پڑا تھا۔ اُن کے الفاظ میں "ہمارے ساتھ انسانوں جیسا سلوک نہیں کیا گیا، ہم تو پنجرے میں جانوروں کی طرح تھے"۔

جریکو اور غزّہ کی پٹی میں محدود فلسطینی کنٹرول کے بارے میں عودہ رنتیسی نے کہا کہ "میرے خیال میں جو کچھ ہو رہا ہے، یہ امن نہیں ہے۔ حقیقی امن انصاف، ذہنی سکون اور ہمسایوں کے ساتھ امن و امان کا نام ہے۔ ہمارا مسئلہ یہودی نہیں ہیں بلکہ صیہونی ہیں جو ہمارے گھروں اور کھیتوں پر غاصبانہ قبضہ کرتے ہیں"۔

"کرسچنٹی ٹوڈے" کے بیان کے مطابق مسیحی رہنما اِس بات کا انتظار نہیں کر رہے کہ امن مذاکرات سے علاقے کے مسائل حل ہوں گے۔ کیتھولک پادری الیاس شکور کے بقول "دُنیا بھر میں بکھرے ہوئے فلسطینیوں میں کوئی ساڑھے تین لاکھ مسیحی ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ اِس تعداد میں مزید اضافہ ہو گا میری رائے میں نقلِ مکانی روکنے کا بہترین راستہ یہ ہے کہ نوجوانوں کو اپنی جانب کھینچنے کے لیے اعلیٰ معیار کے تعلیمی ادارے قائم کیے جائیں"۔

"بیتِ لحم بائبل کالج" کے سربراہ ۵۴ سالہ بشارہ عوض نے کہا کہ "ہم ایک قوّت ہیں اور نوجوانوں کو آمادہ کر سکتے ہیں کہ وہ وطن میں رہیں"۔ بیت لحم کالج ۱۹۷۹ء میں بشارہ عوض نے قائم کیا تھا۔ یہ کالج تمام مسیحی فرقوں کے نوجوانوں کے لیے دو سالہ تعلیمی کورس کا اہتمام کرتا ہے اور اُن کے فارغ التحصیل طلبہ میں سے نوے فیصد ابھی تک ملک میں کام کر رہے ہیں۔

بیَرزیت گاؤں کے پادری نے بتایا کہ "وہ اپنی برادری میں مسیحیت کے ایک نئے دور کے لیے کام کر رہے ہیں، اگرچہ مسیحی برادری بہت چھوٹی ہے۔ ایک بہتر مستقبل کے لیے مجھے اپنے لوگوں کی کڑی تربیّت کرنا ہے تاکہ وہ ملک میں اپنے آپ کو بے تعلق نہ سمجھیں بلکہ اپنا کردار ادا کریں۔ "بے تعلقی" کے احساس سے وہ نقلِ مکانی کرنے پر مجبور ہو جائیں گے"۔

زیادہ تر فلسطینیوں، جن میں مسیحی بھی شامل ہیں، کی رائے ہے کہ انصاف اور انسانی حقوق کی بنیاد پر بین الاقوامی تعاون کی اشد ضرورت ہے۔ الیاس شکور کے الفاظ میں "بہت کچھ مغربی دُنیا" کے رویّے پر منحصر ہے جو اب تک یک طرفہ طور پر اِس مسئلے میں دخیل رہی ہے۔ اُس نے ہمیشہ فلسطینیوں کے خلاف اور اسرائیل کے حق میں کام کیا ہے"۔ الیاس شکور کا کہنا ہے کہ یہودیوں پر یورپ میں جو ظلم ہوا، اِس "احساسِ گناہ" کے تحت مغرب نے یہودیوں کے لیے وطن کے حصول میں غیر مشروط تعاون کیا، قطع نظر اِس کے کہ فلسطین کے دوسرے مذاہب کے ماننے والوں پر کیا گزرتی ہے۔

مسیحی رہنماؤں کو اُمید ہے کہ دُنیا بھر کے چرچ اپنے تعلیمی اور مسیحی آبادی کی فلاح و بہبود کے کاموں کے ساتھ اُن کی مدد کریں گے۔ بیَرزیت کے جناب سلیطہ کے بقول "یہ ایک روایت ہے۔ سینٹ پال کہا کرتا تھا کہ وہ یروشلم کے چرچ کے لیے رقم جمع کر رہا ہے۔ یہ دینی برادری میں ایک

دوسرے کے کام آنا ہے"۔ اسی طرح بشارہ عوض نے کہا کہ "اس وقت فلسطینی چرچ آزمائش میں مبتلا چرچ ہے۔ ہمیں شدّت سے احساس ہے کہ مغربی مسیحیت نے ہمیں مسترد کر دیا ہے۔ وہ اسرائیل کی معاون ہے، چاہے وہ غلط کار ہے یا نہیں"۔ وہ کہتے ہیں کہ مسیحی مسلمانوں اور یہودیوں میں دب کر رہ گئے ہیں۔ "اس لیے ہم باہر کی مسیحی برادری سے کہہ رہے ہیں کہ وہ ہماری مدد کرے۔ اگر ہم ہمیشہ کی طرح فراموش شدہ، مسیحی رہتے ہیں تو مستقبل میں فلسطین کہانیوں کی سرزمین ہوگی اور ہمارے چرچ عجائب گھروں کی مانند ہوں گے"۔

ایشیا

جنوب مشرقی ایشیا میں مسیحیت کی اشاعت

[انڈونیشیا کی ایک مقامی اسلامی تنظیم کی جانب سے Crescent's Indoesia کے نام سے ایک دوماہی خبر نامہ تقسیم کیا جاتا ہے۔ خبر نامے میں بالعموم ملک کی اسلامی سرگرمیوں کا تذکرہ ہوتا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے جناب دلیر نور کا ایک مقالہ "خبر نامے" کے ساتھ بطور ضمیمہ شائع کیا گیا جس میں جنوب مشرقی ایشیا کے تین ممالک - انڈونیشیا، ملائیشیا اور فلپائن میں مسیحیت کی پیش رفت اور اس سے پیدا ہونے والی صورتِ حال کا جائزہ پیش کیا گیا تھا۔ ذیل میں اِس مقالے کی تلخیص پیش کی جاتی ہے۔ مدیر]

اگرچہ کہا جاتا ہے کہ پہلی صدی مسیحی میں جنوب مشرقی ایشیا میں مسیحیت کا پیغام پہنچ چکا تھا، مگر اِس خطّے کے باشندوں کا مسیحیت سے اصل تعارف پندرھویں اور سولھویں صدی میں اُس وقت ہوا جب مغربی نوآبادیاتی طاقتوں نے بغرضِ تجارت اپنے قدم یہاں جمائے۔ ۱۵۱۱ء میں پرتگیزوں نے ملاکا پر قبضہ کیا، مگر جاوا اور جزائر کی دوسری اسلامی سلطنتوں نے پرتگیزوں کے خلاف مزاحمت کی، اور یہ سلسلہ پرتگیزوں کے جانشین ولندیزوں (ڈچ) کے خلاف دوسری عالمی جنگ کے آغاز تک کسی نہ کسی صورت میں چلتا رہا۔ ۱۵۶۱ء میں فلپائن پر ہسپانویوں نے تسلّط جمایا۔ مسلمانوں پر پرتگیزوں اور ہسپانویوں کے جبر و تشدّد سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ بارہویں سے پندرہویں صدی تک ہسپانیہ پر مسلمانوں کے اقتدار کا بدلہ اِس خطّے کے مسلمانوں سے لینا چاہتے تھے۔

دوسری عالمی جنگ کے خاتمے پر دُنیا بھر میں آزادی کی لہر آئی۔ بعض قوموں نے انڈونیشیا کی طرح سخت جنگ کے بعد آزادی حاصل کی۔ ملایا اور فلپائن کے لوگوں کی طرح بعض نے پُرامن دستوری راستہ اختیار کیا۔ اگرچہ فلپائن کے مسلمان تاحال اپنی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ انڈونیشیا، ملائیشیا اور